سفرنامہ پاکستان

پھر لاہور میں

(۱۲)

سعید احمد اکبرآبادی

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی	ڈاکٹر صاحب سے میرا تعلق اوس زمانہ سے ہے جب کہ میں اورنٹیل کالج میں داخلہ لے کر وولنر ہوسٹل میں رہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا علامہ اقبال کے ہاں بڑا

درخور تھا۔ علامہ کے ہاں میری رسائی انہیں کے ذریعہ ہوئی، علامہ کا پنجابی زبان میں یہ فقرہ اب تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔ ایک مرتبہ میں چغتائی صاحب کے ساتھ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو علامہ نے چغتائی صاحب کو دیکھتے ہی کہا "کہو! ماسٹر جی کی گل ہے" (علامہ ان کو ہمیشہ ماسٹر کہتے تھے۔ کیونکہ یہ اس زمانہ میں ایک اسکول میں پڑھاتے اور نقطہ انسٹرمیجیٹ تھے) انہیں کی وساطت سے علامہ نے مجھ سے امام رازی کی مشہور کتاب "المباحث المشرقیہ" کے دو باب جو زمان ومکاں پر ہیں اون کا ترجمہ اردو میں کرایا تھا اور اس ترجمہ سے خوش ہو کر علامہ نے اپنے دستخط سے ایک کتاب مجکو عنایت بھی فرمائی تھی۔ ڈاکٹر چغتائی ... نے میرے اس ترجمہ کا ذکر اقبال پر اپنے ایک مضمون میں بھی کیا ہے جو سہ ماہی اردو ادب، علی گڑھ میں چھپا تھا، موصوف بڑے بادضع، شریف اور بڑی محبت کے انسان ہیں۔ مجھ سے ان کی دوستی نہیں برادرانہ تعلق ہے، مجکو خوشی ہے کہ اب بھی دنیا میں کم از کم ایک بزرگ تو ایسے ہیں جو مجھے فقط "سعید" کہکر پکارتے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۸۰ سے متجاوز ہے۔ لیکن ردوال

دواں اب بھی رہتے ہیں، بڑے مذہبی اور کٹر مسلمان ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے محقق اور مصنف ہیں۔ تاج محل پر اون کی کتاب جو اصلاً فرنچ میں تھی اور پھر اردو میں اور غالباً انگریزی میں بھی اوس کا ترجمہ چھپا تحقیق کا شاہکار ہے اسی کتاب پر اون کو فرانس سے ڈاکٹر کی ڈگری ملی ہے۔ اسی تحقیق کے سلسلہ میں وہ آگرہ بھی آئے تھے۔ اور ہمارے گھر مقیم رہے تھے، اس تقریب سے انہوں نے کتاب کے مقدمہ میں والد صاحب مرحوم ڈاکٹر ابرار حسین صاحب اور میرا شکریہ ادا کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ برسوں لندن اور پیرس میں بھی رہے۔ اون کا خاص موضوع آثار قدیمہ اور مغل بادشاہوں کی تاریخی عمارتیں اور اون کے کتبات ہیں۔ پونا میں اسی کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ اسی موضوع پر متعدد بلند پایہ کتابیں اور سینکڑوں مقالات شائع کر چکے ہیں۔ حضرت بلالؓ پر بھی اون کی ایک بڑی اچھی کتاب اردو میں ہے۔ مرقع چغتائی (دیوان غالب) والے عبدالرحمٰن چغتائی جو مغل ارٹ کے مشہور آرٹسٹ تھے ان کے بڑے بھائی تھے۔ چند برس ہوئے ان کا انتقال ہوگیا۔ دونوں بھائی پہلے اندرون شہر محلہ چابک سواران میں رہتے تھے۔ تقسیم کے بعد ڈاکٹر چغتائی نے اپنی کوٹھی گلبرگ میں بنالی ہے۔ اسی میں اون کی نہایت شاندار اور نہایت قیمتی ذاتی لائبریری ہے۔ لاہور کی علمی و ادبی.. برادری کے اہم اور ممتاز رکن ہیں جسے انگریزی میں (Doyen) کہتے ہیں، ۱۹۶۰ء میں جب لاہور آیا تھا تو ان سے اطمینان کی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ اس مرتبہ یونہی رواروی میں ملنا ہوتا رہا۔ جس کا افسوس ہے۔

جسٹس ایس۔ اے رحمٰن پہلے پاکستان کی سپریم کورٹ کے جج تھے، پھر پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے۔ نہایت شریف، سچے اور پکے مرد مسلمان۔ اقبال اور اون کے کلام کے عاشق ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے شام ہمدرد کی ایک مجلس میں "اقبال اور سوشلزم" پر ایک بڑا گراں قدر مقالہ انگریزی میں پڑھا تھا جو چھپ گیا ہے۔ اوس کی کاپی انہوں نے

مجھکو بھی دی تھی۔ آج کل پاکستان میں بعض لوگ کہتے ہیں اور اس پر انہوں نے لکھا بھی ہے کہ اقبال سوشلزم کے حامی تھے جسٹس ایس اے رحمٰن نے بڑی تحقیق اور دیدہ دری سے سوشلزم کی حقیقت اور اس کی تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد کلام اقبال کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ خیال غلط ہے کہ موصوف کی غالباً مستقل کوئی تصنیف نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے علمی اور ادبی مجلسوں اور یونیورسٹی میں مختلف مواقع پر خطبات اور مقالات پڑھے ہیں جناب منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب مکتبہ اشرف المعارف جہل یک ملتان نے ان کا اردو ترجمہ "حدیث دل" کے نام سے شائع کر دیا ہے اور برہان میں اس پر تبصرہ ہو چکا ہے یہ خطبات بڑے فکر انگیز اور بصیرت افروز ہیں، مجھکو جسٹس سر شاہ سلیمان مرحوم کی خدمت میں بھی نیاز حاصل تھا جب کبھی رحمٰن صاحب کو دیکھتا ہوں سر شاہ سلیمان بے ساختہ یاد آجاتے ہیں اخلاق و عادات اور فضائل و شمائل میں یکسانیت کے ساتھ قد و قامت اور چہرہ بشرہ میں بھی بڑی مشابہت ہے۔ ایک زمانہ میں ان کی خواہش تھی کہ میں اسلام آباد کے اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں ڈائرکٹر کی پوسٹ پر آجاؤں۔ لیکن جب میری طرف سے سرد مہری دیکھی تو خاموش ہو گئے۔

پروفیسر قدرت اللہ شہاب

کانفرنس میں دیرینہ دوستوں میں سے پروفیسر قدرت اللہ شہاب سے بھی ملاقات کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ نہایت مخلص اور بڑے لائق و قابل اور فاضل ہیں۔ مختلف زبانیں جانتے ہیں انڈونیشیا اور چین یا جاپان برسوں رہ چکے ہیں۔ اب ایک عرصہ سے اسلام آباد کے اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں پروفیسر ہیں۔ کم گو ہیں لیکن نہایت شائستہ و بائستہ اور بڑے رکھ رکھاؤ اور قرینہ کے انسان ہیں گفتگو بڑی سنجیدگی سے کرتے ہیں۔ اس مرتبہ میری رواداری کی وجہ سے ان سے ملاقات سرسری ہی ہوئی لیکن ۱۹۶۱ء میں جب میں اسلام آباد میں ایک ہفتہ ٹھہرا تھا اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے تمام اعضا ارکان کے ساتھ ان سے بھی بڑے اطمینان کی ملاقاتیں ہوئی تھیں اور انہوں نے میرے اعزاز میں ایک نہایت شاندار اور بہت پرتکلف ڈنر بھی دیا تھا اس وقت میں جس

چیز سے زیادہ متاثر ہوا تھا وہ یہ تھی کہ اطعمہ و اشربہ جیسے تھے وہ تو تھے ہی کمرہ و کرسی اور فرنیچر میں بڑی نفاست اور لطافت تھی۔ اور اون پر جاپانی مذاق کا اثر معلوم ہوتا تھا

بہرحال ۲۲ مارچ کو کانفرنس ختم ہوگئی تو میاں اسلم کو لاہور سے دور کسی شہر میں ایک مذہبی جلسہ کی صدارت کرنی تھی وہ وہاں چلے گئے ۲۳ کی صبح کو پہلے سے قرارداد کے مطابق لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید کار لیکر پہونچ گئے۔ ان کے ساتھ جسٹس ایس۔ اے رحمٰن کی کوٹھی پر وہ نہیں ملے، پھر ہم ادارہ ثقافت اسلامیہ کے دفتر گئے، اسے بھی بند پایا۔ معلوم ہوا کہ جہاں کانفرنس ہوئی تھی وہیں قائد اعظم محمد علی جناح پر ایک سیمینار ہو رہا ہے اور یہ سب حضرات اوس میں شرکت کے لئے گئے ہوے ہیں۔ اور اسی وجہ سے آج تعطیل بھی ہے۔ میں گھر واپس آگیا اور خواجہ صاحب کل کی ملاقات کے وعدہ پر واپس چلے گئے۔

شیخ نذیر حسین صاحب | میں ابھی گھر میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک صاحب کرتے، شلوار میں ملبوس ننگے سر، تشریف لائے۔ میں نے ان کو اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا خیال ہوا کہ کسی دفتر میں کلرک یا ہیڈ کلرک ہوں گے یا کوئی کاروبار کرتے ہوں گے۔ لیکن جب گفتگو شروع ہوئی تو بڑی عالمانہ اور فاضلانہ! معلوم ہوا کہ آپ شیخ نذیر حسین صاحب ہیں، پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام جو اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پروفیسر محمد شفیع صاحب مرحوم کے زمانہ یعنی ۱۹۵۰ء سے تیاری ہو رہی ہے اوس کے اڈیٹر ہیں اور واقعی بڑے فاضل اور لائق ہیں۔ اون سے یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی پندرہ جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں۔ دو چھپ رہی ہیں اور باقی ماندہ چار جلدوں کے لئے مواد جمع کیا جا چکا ہے۔ شیخ صاحب کا ہر فنی مطالعہ بڑا وسیع ہے اور رائے بڑی جچی تلی دیتے ہیں اون کا اصرار تھا کہ میں خود حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ

کی سوانح حیات لکھوں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر قاری محمد رضوان اللہ کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ جو حضرت شاہ صاحب پر ہے اور جو علی گڑھ میں میری نگرانی میں تیار ہوا تھا شیخ صاحب نے اوس کا تذکرہ کرکے فرمایا: یہ مقالہ ایک یونیورسٹی سے پی۔ایچ ڈی کی ڈگری لینے کی حد تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کا حق اس سے ادا نہیں ہوتا، میں نے عرض کیا: آپ نے بالکل بجا فرمایا۔ اور میں نے اس پر جو مقدمہ لکھا ہے میں نے یہ بات اوس میں لکھ بھی دی ہے، شیخ صاحب نے دوسری فرمائش یہ کی کہ صدیق اکبرؓ کے بعد سیرت حضرت عثمانؓ لکھنے کا جو وعدہ آپ نے عرصہ سے کر رکھا ہے: اب اوس کو پورا ہوجانا چاہئے۔ لوگوں کو اس کا بڑا انتظار ہے میں نے عرض کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ المرء یوخذ باقرارہ کے مطابق سیرت حضرت عثمانؓ: میرے ذمہ ملت کا ایک قرض ہے۔ میں اس سے کبھی غافل نہیں رہا اور میں نے اس سلسلہ میں مواد فراہم بھی کیا ہے۔ لیکن مجھے چھ ماہ کی فرصت درکار ہے جس میں مجھے کوئی اور کام بالکل نہ کرنا پڑے۔ جونہی وہ فرصت ملی میں کتاب مکمل کردوں گا۔ شیخ صاحب نے یہ بھی دریافت کیا کہ پروفیسر جوزف شاخت نے اپنی کتاب "فقہ اسلامی کے مآخذ" میں حدیث پر جو اعتراضات کئے ہیں کیا کسی نے اون اعتراضات کا جواب لکھا ہے" میں نے جواب دیا کہ اول تو ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی نے اپنی انگریزی کتاب "حدیث لٹریچر اور اپنی عربی کتاب السیر الحثیث فی تدوین الحدیث" میں ان اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ اور مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمی کی کتاب "نصرۃ الحدیث" میں بھی ایک حد تک ان اعتراضات کا جواب آگیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم جو کام ہے وہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کی عربی میں کتاب "الدراسات فی الحدیث" ہے۔ ڈاکٹر اعظمی نے یہ کتاب پروفیسر شاخت کے جواب میں ہی لکھی ہے اور اس کتاب پر اون کو کیمرج

یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ میں نے مزید کہا: دراصل جب میں علیگڈھ میں تھا ڈاکٹر اعظمی نے میرے شعبہ میں پی ایچ۔ڈی میں داخلہ لے کر اس موضوع پر میری نگرانی میں کام شروع کیا تھا۔ لیکن چند ماہ کے بعد وہ ریاست قطر میں ملازم ہوکر چلے گئے اور یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ چند برس کے بعد اون کو کیمبرج یونیورسٹی سے پروفیسر آربری کے ماتحت پی۔ایچ ڈی کرنے کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے کیمبرج پہونچکر مجھکو لکھا کہ یہاں یونیورسٹی کے قانون کے مطابق میرا داخلہ آپ کے سرٹیفکٹ پر موقوف ہے۔ ازراہ کرم آپ یہ سرٹیفکٹ فوراً بھیجدیجئے، میں نے تعمیل کی، اس سے اون کو دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ اون کا داخلہ ہوگیا اور دوسرے یہ کہ اون کو تین برس کے بجائے دو برس میں ہی مقالہ پیش کرنے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ اس کتاب کے مقدمہ میں ڈاکٹر اعظمی نے میرا ذکر بھی محبت سے کیا ہے۔

پھر میں نے کہا: جب نہایت اعلیٰ کاغذ اور ٹائپ کے ساتھ یہ کتاب چھپ گئی تو ڈاکٹر اعظمی نے اوس کا ایک نسخہ مجھکو بھی بھیجدیا تھا۔ میں نے اس کتاب کو بڑے شوق اور توجہ سے حرفاً حرفاً پڑھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب بڑی محنت تحقیق اور دیدہ وری سے لکھی گئی ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس میں شاخت کے تمام اعتراضات کے تحقیقی اور شافی ووافی جوابات آگئے ہیں فجزاہ اللہ

شیخ نذیر حسین صاحب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کی کتاب سے تو واقف تھے اور اسے پڑھ بھی چکے تھے، لیکن ڈاکٹر اعظمی کی کتاب کا علم مجھ سے ہی ہوا، بہت خوش ہوئے، اون کے دریافت کرنے پر میں نے بتایا کہ ڈاکٹر اعظمی مکہ مکرمہ کے مدرسہ شرعیہ میں استاذ ہیں اون کو خط لکھکر آپ کتاب منگوا سکتے ہیں۔ غرضکہ شیخ صاحب بڑے علمی آدمی ہیں۔ اون سے گفتگو کرکے طبیعت بڑی محظوظ ہوئی۔ ایک انسائیکلوپیڈیا کے اڈیٹر کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اس وقت دنیا میں عموماً اور عرب ممالک میں خصوصاً اسلامیات اور عربی

ادب وزبان پر جو نہایت بلند پایا اور ٹھوس کام ہو رہے ہیں۔ شیخ صاحب کی نگاہ اون سب پر ہے۔

مزار حضرت شیخ ہجویری| ظہر کی نماز کے بعد ایک عزیز کے ساتھ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ حضرت شیخ کو لوگ عام طور پر داتا گنج بخش کہتے ہیں۔ اوس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ دہلی جاتے ہوئے جب لاہور آئے تو حضرت شیخ المتوفی ۴۹۵ھ کے مزار پر چلہ کش بھی ہوئے اور آپ نے یہ شعر بھی پڑھا۔ ؎

گنج بخش ہر دو عالم، مظہر نورِ خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شعر جعلی ہے کیونکہ گنج بخش میں شرک کی بو آتی ہے۔ لیکن شاعری میں اس قسم کی مبالغہ آرائی عام ہے اور بڑے بڑے صوفیا کا کلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ حضرت شیخ کا مزار ہمیشہ مرجع عوام و خواص رہا ہے بڑے بڑے اولیاء اللہ نے یہاں چلہ کشی کی ہے۔ سلاطین و امراء نے یہاں آکر عقیدت دارادتمندی کے نذرانے پیش کئے ہیں۔ کروروں انسانوں نے فاتحہ وسلام کے پھول چڑھائے ہیں۔ حضرت شیخ کی متعدد تصنیفات کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔ لیکن آپ کی سب سے زیادہ مشہور اور اہم تصنیف "کشف المحجوب" ہے۔ جو فن تصوف پر ایک نہایت جامع اور مستند کتاب ہے میں نے اس کتاب کو پڑھا ہی نہیں ایک زمانہ میں اس کا درس بھی دیا ہے۔ پروفیسر نکلسن نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے۔ جی چاہتا تھا کہ کچھ دیر یہاں بیٹھوں لیکن مردوں، عورتوں اور بچوں کا اس قدر ہجوم اور شور وغل تھا کہ بیٹھ نہ سکا۔ کھڑے کھڑے فاتحہ پڑھی اور روانہ ہوگیا پاکستان گورنمنٹ نے اب مقبرہ کی عمارت بڑی شاندار اور

وسیع بنیادی ہے شہنشاہ ایران نے نہایت قیمتی اور مطلا د مذہب دروازہ نذر کیا ہے

مزار علامہ اقبال پر | یہاں سے فارغ ہو کر علامہ اقبال کے مزار پر حاضر ہوا، اور معلوم نہیں کیوں مزار پر نگاہ پڑتے ہی دل میں ایک ہوک اٹھی اور آنسو نکل پڑے، یہاں ایک واقعہ یاد آیا۔ کاندہلہ ضلع مظفر نگر میں ایک صاحب تھے۔ جن کا نام ظہیر الحسن تھا۔ یہ کاندہلہ کے بڑے رئیس، نہایت دیندار اور مخیر ہونے کے ساتھ نہایت قابل اور بڑے فاضل بھی تھے، علیگڈھ سے فلسفہ میں ایم۔ اے کیا تھا۔ مطالعہ کے بڑے دھنی تھے، ۱۹۴۷ء میں آزادی ملے ہوئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ ایک دن مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلکر گھر میں داخل ہو رہے تھے کہ کسی بدبخت نے اون پر گولی چلادی اور وہ شہید ہو گئے۔ ہم ارکان ندوۃ المصنفین سے اون کے نہایت مخلصانہ اور برادرانہ مراسم تھے، ان مولوی ظہیر الحسن صاحب شہید نے خود مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندہلوی (جو مولوی صاحب کے رشتہ میں ماموں یا چچا بھی ہوتے تھے) کاندہلہ تشریف لائے تو اپنے گھر جانے کے بجائے میرے مکان پر قیام فرمایا۔ شب میں مولانا سو رہے تھے، میری چارپائی قریب ہی تھی۔ ایک دو بجے کا عمل ہوگا کہ مولانا پر کشف کی سی کیفیت طاری ہوئی اچانک اٹھکر بیٹھ گئے اور آواز دیکر مجھے بھی اٹھادیا۔ پھر فرمایا۔ میاں ظہیر الحسن تمہیں معلوم ہے کہ اقبال کا مقام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت! میں ایک بندۂ عاصی و خاطی! ان امور غیبی کی نسبت کیا کہہ سکتا ہوں، اس پر فرمایا "اقبال نے وفات سے چند روز پہلے حضرتِ حق جل شانہ کو مخاطب کر کے یہ رباعی کہی تھی۔

توغنی از ہر دو عالم من فقیر　　　روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

یا اگر بینی حسابم ناگزیر　　　از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اس رباعی میں آخری مصرعہ اقبال نے کس سوز و گداز قلب سے کہا ہے کہ رحمت خداوندی کو جوش آگیا اور اس نے اپنی آغوش میں لے اقبال کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔" رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً"

فارسی شاعری میں جامی، رومی، خاقانی، عرفی اور قدسی ایسے نہایت عظیم الشان اور بلند پایہ نعت گو شعرا پیدا ہوئے ہیں، لیکن نعت گوئی میں اقبال کے تیور ہی کچھ اور ہیں، ایک نظم میں اقبال عالم خیال میں حج کو جاتے ہیں، جب حج سے فارغ ہو کر مکہ سے مدینہ طیبہ جانے لگتے ہیں تو حضرت حق جل شانہ کو از راہ شوخی خطاب کر کے کہتے ہیں :۔

تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

یعنی اچھا اے خدا! تو اپنے خاص نیک بندوں کے ساتھ یہاں رہ میں تو منزل دوست پر پہونچنے کی آرزو رکھتا ہوں، یہاں دوسرے مصرعہ سے عشق نبوی اور روضۂ اقدس پہ جلد سے جلد پہونچنے کی تمنا کے باعث اقبال کے دل کی بے قراری و بے چینی کے جو شرارے نکل رہے ہیں وہ ایک مسلمان کے ایمان کا متاع گرانمایہ ہیں، جس طرح ایک بچہ باپ کی گود میں ہوتا ہے تو کبھی کبھی پیار میں باپ کی ڈاڑھی پکڑ لیتا اور اوس کے چہرہ کو ننھے منے ہاتھوں سے تھپ تھپانے لگتا ہے اور باپ اوس پہ برا نہیں مانتا بلکہ خوش ہوتا ہے، اسی طرح بعض صوفیا نے اپنے اشعار میں خدا کے ساتھ شوخ کلامی کی ہے اور یہ رنگ اقبال کے ہاں بھی ہے [1]

---

[1] چنانچہ اس شعر کے پہلے مصرعہ کا انداز بھی یہی ہے۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ کسی نے یہ شوخ کلامی کبھی نہیں کی اور آپ کے ساتھ عشق و محبت کے اظہار میں بھی آپ کا حد درجہ ادب اور احترام ملحوظ رکھا ہے اسی لئے عارفانہ ہدایت ہے :-

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

یہاں خاموشی تھی، آدمی بھی کم تھے، اس لئے مزار پر آنکھ بند کرکے بیٹھ گیا اور اور فاتحہ پڑھنے لگا۔ اس وقت میری چشم تصور نے کیا دیکھا ؟ وہ کسی کو سنانے کی چیز نہیں ۔

یہاں سے فارغ ہوکر برادر عزیز مولانا عبدالصمد صارم کے مکان پر آیا، وہاں جناب عبداللہ صاحب قریشی اور قاضی اکرام جو دفتر مرکزی جمعیت علمائے ہند میں ملازم اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کے خادم خاص تھے اور اب وہ پاکستانی ہیں موجود تھے، ریحانہ اور بچے بھی ادھر سے آگئے تھے، سب کے ساتھ چائے پی ۔ کچھ دیر بیٹھا اور گھر واپس آگیا ۔ میاں اسلم شب میں سفر سے واپس آگئے تھے، صبح ناشتہ کے بعد انھوں نے کہا کہ ادارہ ثقافت اسلام کے دفتر میں ایک نشست رکھی گئی ہے ۔ اوس میں آپ کو چلنا ہے ۔ میں نے کہا ۔ کیسی نشست ؟ کیا وہاں کوئی تقریر کرنی ہوگی ؟ بولے جی نہیں ! چند خاص خاص حضرات کا اجتماع ہے وہ آپ سے بعض مسائل پر گفتگو اور تبادلۂ خیال کریں گے ۔ میں نے ہامی بھرلی اور وقت مقررہ پر ہم دونوں وہاں پہونچ گئے ۔ دفتر پہونچکر دیکھا تو لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید، جسٹس ایس ۔ اے رحمٰن ۔ ڈاکٹر سعید شیخ اور چند اور حضرات پہلے سے موجود تھے ۔ اب گفتگو شروع ہوئی تو جسٹس ایس ۔ اے رحمٰن صاحب نے دریافت فرمایا کہ امرجنسی کے نافذ ہونے کے بعد سے ہندوستان کے حالات کیا ہیں ؟ میں نے اوس کے جواب میں وہی کہا جو سابقہ قسط میں بیان

کرچکا ہوں۔ اس کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے آئندہ تعلقات کے بارہ میں تبادلۂ خیالات ہوا۔ میری طرح یہ سب حضرات اس بات کے متمنی اور خواہش مند تھے کہ دونوں ملکوں میں دوستی اور خیراندیشی و صلح جوئی کی فضا زیادہ خوشگوار ہونی چاہیے میں نے ہندوستان کے عوام اور گورنمنٹ دونوں کی طرف سے اس بات کا یقین دلایا کہ وہ اس چیز کے دل سے خواہاں ہیں۔ اس سلسلہ میں میں نے خاص طور پر کلدیپ نائر، خوشونت سنگھ (السٹر نیٹڈ ویکلی) کے مقالات و مضامین اور پی ال مودی، احمد سعید ملیح آبادی، اور کاکا جی کی کتابوں کا ذکر کیا۔

یہ پرلطف نشست ایک بجے تک رہی۔ اس کے بعد میں ان سب حضرات سے رخصت ہوکر میاں اسلم کے ساتھ گھر آیا۔ کھانا کھاکر حسب عادت کچھ دیر آرام کیا۔ پھر ظہر کی نماز اور چائے سے فارغ ہوکر اسلام آباد جانے کے لئے ایرپورٹ روانہ ہوگیا۔

جواہر الفقہ

عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی دارالعلوم کراچی

جس میں فقہ اسلامی، اور سائنس جدید سے پیدا شدہ مسائل پر حضرت مفتی اعظمؒ کی تقریباً پچاس کتب و رسائل و مقالات جدید اضافہ کیساتھ عصری موضوعات پر عظیم تحقیقات اعضاء کی سرجری اور خون کا استعمال، اسلام کے نظام تقسیم دولت پر ایک بین الاقوامی اسلامی سیمینار، علم نبوی کی تحقیق، بیمہ زندگی انتخابات اور شرعی ضابطے، حق تصنیف اور ایجاد اسلام اور صحافت، مشینی ذبیحہ، معمہ لاٹری اور ریس، زرعی نظام عشر و خراج، مسلم پرسنل لا و سماجی اصلاحات پر متبادل تجاویز انکے علاوہ علم تفسیر و حدیث تاریخ تجدید ایمان و عقائد اردو خطبہ جمعہ سمت قبلہ تقلید، رد بدعت اور جدید مسائل،

ہدیہ جلد اول مجلد -/۲۲
جلد دوم مجلد -/۲۲

ملنے کا پتہ:- ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی۔